موجودہ مسائل کو کس طرح حل کیا جائے؟[1]

از مولانا محمد تقی صاحب امینی ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرات علماء کرام! ہماری یہ علمی مجلس جدید مسائل کو حل کرنے کی اہمیت یا مسلم پرسنل لاء میں نظر ثانی کی ضرورت پر غور و فکر کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کے پیش نظر آگے کے کام ابتدائی خاکہ و طریق کار کا نقشہ مرتب کر کے کام شروع کر دینا ہے۔

جدید مسائل حل کرنا ہوں یا سماجی خرابیوں کی وجہ سے مسلم پرسنل لاء پر نظر ثانی ہو، اس قسم کے جملہ شرعی امور کے لئے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ "اجماع" کو متحرک اور جان دار بنایا جائے۔

"اجماع" دراصل قانون کو قابل عمل و قابل نفاذ بنانے کے لئے ایک قسم کا اختیار ہے جو شارع اصلی اور مقنّنِ حقیقی کی طرف سے ان لوگوں کو عطا ہوا ہے جو فکری و علمی حیثیت سے اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اجماع کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قرآنی تعلیمات و نبوی تشریحات اپنے اپنے رنگ میں جامع ہونے کے باوجود ہر دور کی سماجی خرابیوں اور نت نئے پیدا شدہ حالات و مسائل کے تذکرے خالی ہیں بلاشبہ الٰہی ہدایات اپنی جگہ کامل ہیں جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً (مائدہ)	آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت تمام کر دی اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا۔

---

[1] ماہنامہ "برہان" دہلی میں یہ مضمون چھپا ہے۔ مولانا امینی صاحب نے اسے ایک مخصوص علمی مجلس کے لئے لکھا تھا۔ لیکن شدید مجبوری کی وجہ سے پڑھا نہیں جا سکا۔ ماہنامہ برہان سے شکریہ کے ساتھ یہ مضمون الرحیم میں شائع کر رہے ہیں۔ مدیر

لیکن کامل ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر قسم کی سماجی خرابیوں پر قابو پانے کی تدبیروں اور ہر روز کے نئے پیش آمدہ مسئلوں کا تفصیلی ذکر اس میں موجود ہے۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں ہے لا ادراج حکم کل حادثۃ فی القرآن[1] ایسا نہیں ہے کہ ہر جزئی واقعہ و حادثہ کا حکم قرآن حکیم میں موجود ہے۔

ایسی حالت میں فطری طور پر کسی ایسی شکل کی ضرورت ہے جو وقتِ ضرورت موجودہ مسائل کا محل متعین کرتی رہے اور الٰہی ہدایات کی روشنی میں نئے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کر کے زندگی اور قانون میں ہم آہنگی پیدا کرتی رہے۔ ورنہ زمانہ کا "مفتی" بہت سے مروجہ مسائل کو مہمل قرار دیدے گا اور پیش آمدہ مسائل میں اپنا رنگ بھر کر لوگوں کو عمل کے لئے مجبور کر دے گا۔ اور پھر دین کے کمال کا دعوی باطل ہو جائے گا۔

اسلامی اصول قانون میں "اجماع" کو جس قدر اہمیت حاصل ہے بدقسمتی سے اسلامی تاریخ میں اسی قدر بے توجہی برتی گئی ہے۔ شخصی حکومتوں کے زمانہ میں اس بنا پر حوصلہ افزائی نہیں کی گئی کہ حکومتیں عموماً ایسا کوئی "ادارہ" برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی ہیں جو ایک طرف تو حالات و مسائل میں آزادانہ غور و فکر اور فیصلہ کا حامل ہو اور دوسری طرف عوامی رجحان کو مائل کرنے کی اس میں طاقت و صلاحیت ہو۔

دراصل اس سیاسی مفاد کی وجہ سے "اجماع" جیسے اہم اصول کو بروئے کار آتے رہنے کا موقع نہ مل سکا اور بعد میں یہ خیال عام ہو گیا کہ اجماع میں چونکہ جمیع امت کا اتفاق ہونا چاہیئے۔ اور یہ صورت حال تقریباً ناممکن ہے اس لئے اجماع کا انعقاد ناممکن ہے۔ حالانکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

"اصل ثبوت از اصول شریعت اجماع امت باز اجماعیکہ متخیل اہل زمان است بمعنی اتفاق جمیع امتِ مرحومہ بحیثیت لایشذ منہم فرد واحد نصاً من کل واحد منہم خیال محال است ہرگز واقع نشدہ"

پھر آگے فرماتے ہیں۔

اجماع کثیر الوقوع اتفاق اہل حل وعقد است از فقیہانِ امصار این معنی در مسائل مصرحہ فاروق اعظم یافتہ می شود کہ اہل حل وعقد برآن اتفاق کردہ اند"[2]

---

[1] تلویح ص ۵۰

[2] ازالۃ الخفاء

اجماع کی ممکن العمل صورت یہی ہے کہ قانونی معاملات میں اہل حل وعقد کی ایک مجلس مشاورت قائم کی جائے اور وہ حالات و مسائل میں غور و فکر کے بعد صحیح حل تجویز کرے جو ایک طرف کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو اور دوسری طرف ضروریات زندگی سے ہم آہنگی پیدا کرنے والا اور دشواریوں پر قابو پانے والا ہو۔

اجماع بحیثیت مجموعی ہدایت الٰہی کی کلی پالیسی اور بنیادی اصول کے تحت ہونا چاہیئے علیحدہ علیحدہ قرآن و سنت میں اس کی سند ضروری نہیں ہے ورنہ اجماع سے کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا ——— یعنی جس امر پر اجماع ہوا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ قرآن و سنت میں اس کے لئے مستقل سند موجود ہو بلکہ اس کا اسلام کے بنیادی اصول اور اس کی کلی پالیسی کے تحت ہونا کافی ہے جیسا کہ فقہاء کی تشریحات سے واضح ہوتا ہے۔[1]

البتہ جن لوگوں سے اجماع منعقد ہوتا ہے یا اصطلاح کے مطابق جو اس معاملہ میں اہل حل و عقد کہلانے کے مستحق ہیں ان کا علمی اور عملی حیثیت سے معیاری اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے تاکہ قوم ان کے فیصلہ کو سند کا مقام دینے میں حق بجانب ہو، علمی حیثیت سے مثلاً۔

۱۔ قرآن حکیم میں علم و بصیرت کا درجہ حاصل ہو صرف معلومات کافی نہ ہوں گے،

۲۔ سنت نبوی کو روایت و درایت کے معیار پر جانچنے کے طریقہ سے واقفیت ہو اور اس کے صحیح مقام و محل کے تعین کی معرفت ہو۔

۳۔ صحابہ کرام کی زندگی سے واقفیت اور ان کے اجماع و فیصلہ کا علم ہو۔

۴۔ قیاس کے ذریعہ استدلال و استنباط کے اصول و قواعد معلوم ہوں۔

۵۔ قوم کے مزاج، حالات و تقاضوں، رسم و رواج اور عادات و خصائل سے بھی واقفیت ہو۔

۶۔ جدید رجحانات اور تقاضوں سے واقفیت کے لئے ایسے حضرات کو شامل کیا جائے جو زیر بحث معاملات میں سنجیدگی اور بصیرت کیساتھ رائے دے سکیں۔

اجماع کے افراد کا عملی حیثیت سے اونچے اخلاق و کردار کا حامل ہونا ضروری ہے، مامورات پر عمل کرتے ہوں اور منہیات سے بچتے ہوں، اس کے لئے تقویٰ کا کوئی خاص معیار متعین نہیں ہے بلکہ فسق و فجور سے بری

---

[1] ملاحظہ ہو التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۱۱۲

عادتوں سے پاک ہونا کافی ہے، اسی طرح زندگی کے حالات و معاملات میں غیر محتاط نہ ہونا چاہیئے۔
اجماع کے انعقاد کے لئے صاحب صلاحیت افراد کا کثیر تعداد میں ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ نہ مہیا ہونے کی صورت میں کم از کم تین سے بھی کام چل سکتا ہے۔
ایسے فیصلے میں ہر حیثیت سے سب کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اکثریت کا اتفاق کافی ہے۔
صحابہ کرام کی زندگی اور ان کے طرز عمل میں اس کا ثبوت ملتا ہے اور امام غزالی فرماتے ہیں۔

انه ینعقد مع مخالفة الاقل۔[۱]

قاعدہ کے مطابق اجماع منعقد ہونے کے بعد اسلام کے قانونی نظام میں اسے کافی اختیارات حاصل ہیں مثلاً۔

۱۔ حالات اور تقاضوں کے مطابق قرآن وسنت کی روشنی میں نئے قوانین وضع کرنا۔
۲۔ پرانے اجماعی فیصلے جو حالات و مصلحت کے تابع تھے ان میں موجودہ حالات و مصالح کے پیش نظر مناسب ترمیم کرنا۔
۳۔ وہ احکام جو بتدریج نازل ہوئے ہیں، معاشرتی حالات کے لحاظ سے انہیں مقدم و موخر کرنا
۴۔ وہ احکام جن میں عرب کے مقامی حالات، رسم ورواج خصائل و عادات ملحوظ ہیں، ان کی روح اور پالیسی برقرار رکھتے ہوئے جدید حالات کے پیش نظر ان کے لئے نیا قالب تیار کرنا۔
۵۔ وہ احکام جو وقتی تقاضہ اور مصلحت کے تحت ہیں، موجودہ تقاضہ اور مصلحت کے تحت ان میں مناسب ترمیم کرنا۔
۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جن احکام میں مختلف الرائے ہیں معقول دلیل کی بنا پر ان میں کسی ایک کو ترجیح دینا۔
۷۔ فقہاء کی مختلف رایوں میں حالات و تقاضہ کی مناسبت سے ترجیحی صورت پیدا کرنا وغیرہ۔

جن لوگوں نے الٰہی ہدایات کا دقت نظر اور وسعتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے نیز مروجہ احکام و مراسم

---

[۱] از حصول المامول من علم الاصول ص ۰۰ م

کے باب میں انبیائی طرزِ عمل کو سمجھنے کی کوشش کی ہے (جس کی تفصیل شاہ ولی اللہؒ کی کتابوں میں آسانی سے دیکھی جاتی ہے) وہ اس حقیقت سے انکار نہ کر سکیں گے کہ ہدایت الٰہی کے پیش نظر ہمیشہ دو مقصد رہے ہیں۔

۱۔ قلبی و روحانی اصلاح اور (۲) معاشرتی و تمدنی فلاح۔ اس لحاظ سے "ہدایت" میں دو قسم کے قوانین پائے جاتے رہے ہیں (۱) ایک وہ جن کی روح اور قالب یا معنی اور صورت دونوں ہی متعین اور مقصود ہیں۔ (۲) دوسرے وہ جن کی روح اور معنی مقصود ہیں، قالب یا معنی اور صورت مقصود نہیں ہیں۔

پہلی قسم کے قوانین غیر متبدل اور یکساں رہنے والے ہیں اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ شکل و صورت میں ہو سکتی ہے اور نہ روح و معنی میں، اور دوسری قسم کے قوانین چونکہ سماجی زندگی کے مختلف حالات، وقت اور موقع کی مناسبت کے تابع ہوتے ہیں اس لئے معاشرہ کی حالت تبدیلی اور تمدنی ترقی کے ساتھ ان کی شکل و صورت میں تبدیلی کی گنجائش ہے، شارع کی طرف سے ان کی صرف روح کی بقا کا مطالبہ ہے، حالات و زمانے کے تقاضے کے لحاظ سے شکل و صورت جو بھی متعین ہو اس سے بحث نہیں ہے، قرآنِ حکیم کی بعض آیات سے بھی اس بحث پر روشنی پڑتی ہے مثلاً

کل الطعام کان حِلاً لبنی اسرآئیل الخ ۳/۹۳ اور فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم الخ ۴/۱۶۰

ہدایتِ الٰہی کی مذکورہ نوعیت و کیفیت کی بنا پر ہر دور میں درج ذیل کاموں کی ضرورت رہتی ہے۔

۱۔ حکم اصولی اور کلی شکل میں موجود ہے لیکن حالات کی تبدیلی کی بنا پر اس کے موقع و محل میں تبدیلی لازمی بن گئی ہے تو روح اور پالیسی کو برقرار رکھتے ہوئے حال اور مقام کی مناسبت سے اس کی صورت متعین کرنا۔ مثلاً محنت و سرمایہ میں توازن برقرار رکھنے کا مسئلہ یا حق اور فرض کے حدود متعین کرنے کا سوال ہے، وغیرہ۔

۲۔ حکم موجود ہے لیکن اس پر عمل درآمد سے قومی و ملّی نقصان کا یقین ہے یا حالت و مصلحت کے بدل جانے کی وجہ سے اس کا اصل مقصد فوت ہو رہا ہے، مثلاً ذرائع پیداوار کی تنظیم اور پیداوار کی تقسیم کا مسئلہ ہے یا سرمایہ اور زمین کی نئی تنظیم کے بعد تجارت و زراعت کے بہت سے فقہی مسائل اپنے مقصد میں بڑی حد تک ناکام رہتے ہیں اور شارع کا جو اصل مقصد ہے وہ فوت ہو جاتا ہے۔

اسی طرح معاشرتی زندگی کے بعض فقہی مسائل ہیں جن کا نہ اب محل باقی رہا ہے اور نہ ان پر عمل کرنے سے شارع کا مقصد ہی حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ زمانہ کی کروٹوں اور نئی نئی ضرورتوں نے ایسے حالات و مسائل پیدا کر دیئے ہیں جن کا فقہ میں کوئی تذکرہ نہیں ہے البتہ اصولی اور عمومی رنگ میں ہدایت الٰہی ان سب کو شامل ہے مثلاً موجودہ دور کے مالیاتی و سماجی نظام نے بہت سے مسائل (کمرشل انٹرسٹ، انشورنس، کواپریٹو سوسائیٹیاں وغیرہ) ایسے پیدا کر دیئے ہیں جن میں غور و فکر کے بعد کسی نتیجہ پر پہونچتا ہے اور مذہبی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے قوم و ملت کی رہنمائی کرتا ہے ان کاموں کے لئے دوسری ضروری چیز اجتہاد کے بند دروازہ کو کھولنا ہے، بدقسمتی سے موجودہ دور میں جو طبقہ اجتہاد کا پرزور حامی ہے وہ اس کے نشیب و فراز سے واقف نہیں ہے جو طبقہ کچھ کچھ واقفیت رکھتا ہے اس کی نظر میں عملاً عرصہ سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور اس کی کنجی بھی گم ہو گئی ہے فقہاء نے ان دونوں افراط و تفریط کی راہوں کی بُرائی بیان کی ہے۔ اور اجتہاد کو فقہ کا اصل مدار (وعلیہ مدار الفقہ [۱]) اور تکمیلِ ہدایت کا اہم باب قرار دیا ہے چنانچہ:-

ولاشک ان الاحکام التی تثبت بصریح الوحی بالنسبۃ الی الحوادث الواقعۃ قلیلۃ غایۃ القلۃ فلولم یعلم احکام تلک الحوادث من الوحی الصریح بقیت احکامہا مھملۃ لایکون الدین کاملا فلابد من ان یکون للمجتھدین ولایۃ استنباط احکامھا [۲]

اس میں شبہ نہیں کہ جو احکام صریح وحی سے ثابت ہیں وہ پیش آنے والے واقعات و حوادث کے مقابلہ میں نہایت ہی کم ہیں، اگر ان کا حکم وحی صریح سے بذریعہ استنباط نہ معلوم کیا جائے تو یہ مہمل پڑے رہ جائیں گے اور دین کے کمال کا دعویٰ بیکار ہو جائیگا، اس بنا پر ضروری ہے کہ مجتہدین کو احکام کے استنباط کا اختیار دیا جائے۔

اسی طرح دوسری جگہ ہے:-

فلابد من حدوث وقائع لاتکون منصوصا علی حکمھا ولایوجد للاولین فیھا اجتھاد وعند ذلک فاما ان یترک فیھا مع اھواءھم وینظر فیھا بغیر اجتھاد

یہ ضروری بات ہے کہ ایسی نئی نئی صورتیں پیش آئیں جن کا صریحی حکم نہ موجود ہو اور نہ پہلے لوگوں نے ان میں اجتہاد کیا ہو۔ ایسی حالت میں اگر لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ من مانی کاروائی کریں یا اجتہاد شرعی کے بجائے محض اٹکل کے تیر چلائیں

---

[۱] نورالانوار ص۲۴۶ [۲] تلویح ص۵

شرعی وهو ایضا اتباع للهوی وذلک کله فساد[1] | تو یہ سب خواہشات کی اتباع اور فساد کا موجب ہے

جن لوگوں کا مسلک ہے کہ ائمہ اربعہ پر اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے اب قطعاً اس کی گنجائش نہیں ہے فقہاء نے ان پر اس طرح ملامت کی ہے۔

وهذا کله هوس من هوساتهم لم یاتوا بدلیل ولا یعبأ بکلامهم وانما هم من الذین حکم الحدیث انهم افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا[2]

یہ سب باتیں خواہشاتِ نفسانی سے تعلق رکھتی ہیں ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل ہے اور نہ ایسی لغو باتوں کی طرف توجہ کرنی چاہیئے یہ حضرات تو ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں حدیث نبوی ہے کہ بغیر جانے بوجھے فتوی دیتے ہیں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

رہے وہ لوگ جو اجتہاد کے پُرزور حامی ہیں اور اس کے لئے مقررہ شرطوں اور صلاحیتوں کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں وہ بالعموم وہی ہیں جن کے دل سے قدامت کی قدر و قیمت نکل چکی ہے اور ماضی کی وہ عظیم الشان روایتیں جن پر قومی زندگی کی تعمیر ہوتی ہے ان کی نظر میں فرسودہ اور غیر ترقی یافتہ بن چکی ہیں۔ یہ اسلام کا ایک جدید ایڈیشن تیار کرنا چاہتے ہیں جس کی تقریباً ہر چیز باہر سے برآمد کی گئی ہو، یہاں ان لوگوں کے طریق کار و اندازِ فکر سے بحث نہیں ہے۔

کہنا صرف اس قدر ہے کہ مذہبی لوگوں میں اجتہاد کے سلسلہ میں اب تک جو ردو قدح چلتی رہی ہے، اب اس کا زمانہ ختم ہونا چاہیئے ایک حد تک صلاحیت افراد ہر دور میں موجود ہوتے ہیں، انہیں کام کی ضرورت کا شدید احساس نہیں ہوتا ہے یا اس کے مواقع نہیں میسر آتے ہیں جس کی بنا پر اجتہادی صلاحیتیں بروئے کار نہیں آتی ہیں۔

بہر حال مذکورہ کاموں کی انجام دہی کے لئے اجتہاد کا بند دروازہ کھولے بغیر چارہ نہیں ہے، فقہاء نے اجتہاد کے لئے کافی سامان فراہم کر دیا ہے، اصول اور ضابطے مقرر کئے ہیں کام کا اندازہ اور طریقہ بتایا ہے، کام کر کے دکھایا ہے، اجتہاد کے لئے جس قسم کی صلاحیت درکار ہے اس کی نہایت تفصیل کے ساتھ

---

[1] الموافقات ج ۴ ص ۱۰۴ [2] شرح مسلم الثبوت لبحر العلوم ص ۶۲۴

وضاحت کی ہے اس سے زیادہ ہماری محرومی اور بے بصری کیا ہوگی کہ اس سے فائدہ اٹھانے کو ہم جرم سمجھیں یا خود فریبی میں مبتلا ہو کر اس کی اہمیت محسوس نہ کریں۔

موجودہ حالات وضروریات کے پیش نظر اجتہاد کے لئے اصرار کے باوجود ہماری رائے انفرادی اجتہاد کی نہیں ہے بلکہ شورائی طرز کے اجتہاد کی ہے کہ علما کی ایک صاحب صلاحیت مجلس زیر بحث مسائل میں ضابطہ کے مطابق غور کر کے باہمی تعاون کے ذریعہ ان کا حل تلاش کرے۔

اس مجلس کو اونچے پیمانہ پر اجتہاد کی ضرورت ہوگی اور نہ کوئی نئی راہ نکالنے کی اجازت ہوگی بلکہ فقہی اصطلاح کے مطابق مجتہد منتسب نے جس طرح فرائض انجام دیئے تھے ویسے ہی یہ مجلس انجام دے گی۔

مثلاً اخذ واستفادہ کے باب میں یہ مجلس وسعت سے کام لے گی، نہ تو بالکلیہ آزاد وخود رائے ہوگی اور نہ وقت ضرورت دوسرے امام سے استفادہ کو حرام جانے گی بلکہ ہر مسئلہ کو دلیل وبصیرت کی روشنی میں سمجھ کر قبول کرے گی اور اطمینان حاصل کرنے کے بعد فیصلہ کرے گی۔

اسی طرح مختلف اقوال میں جب ترجیحی صورت نکالنے کی ضرورت ہوگی تو حالات ومقامات کی مناسبت سے مقررہ قاعدہ اور ضابطہ کے مطابق بعض قول کو بعض پر ترجیح دے گی۔

اگر کسی مسئلہ میں نص صریح یا تعلیل صحیح متقدمین سے نہ ملے گی تو تحقیق وتلاش کر کے مسئلہ کو دلیل سے آراستہ کرے گی اور اس بات کا مکلف اپنے آپ کو نہ سمجھے گی کہ مسئلہ میں پہلے کی کہی ہوئی ہر بات کی تقلید کی جائے خواہ اطمینان قلبی حاصل ہو یا نہ ہو اور موجودہ حالت کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

اور اگر مسئلہ کی سابقہ دلیل موجود ہے لیکن اس سے "قلب مطمئن نہیں ہے اور وہ مسئلہ اجماعی نہیں بلکہ اجتہادی ہے تو یہ مجلس خود اجتہاد کے ذریعہ مسئلہ کو مضبوط بنائے گی۔

ایسے ہی جب نئی صورت حال پیش آئے گی یا حالات ومقامات کی تبدیلی سے مسئلہ میں تبدیلی کی ضرورت ہوگی تو یہ مجلس اس قسم کے فرائض بھی انجام دے گی۔

فقہ کی کتابوں میں ائمہ اور ان کے شاگردوں کے مختلف اقوال میں مذکورہ صورت کی بہت سی مثالیں تلاش کی جا سکتی ہیں، یہ مجلس اجتہاد کے طریقہ میں بھی آزادانہ ہوگی بلکہ وہی طرز عمل اختیار کریگی جس کی نظیریں اور مثالیں موجود ہیں مثلاً پہلے زیر بحث مسئلہ کی روح اور مقصد سمجھنے کی کوشش کرے گی پھر اس پر غور کریگی

کہ شارع کے پیش نظر اس کے ذریعہ کس قسم کی مصلحت کا حصول اور مضرت کا دفعیہ ہے پھر یہ دیکھے گی کہ اس کو مزاج و ذہنیت کی تبدیلی سے کتنا دخل ہے نیز معاشرتی حالات اور سماجی زندگی کس حد تک اس کی روح اور اصل کردار کو جذب و انگیز کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ان تمام مراحل سے گذرنے کے بعد حل طلب مسئلہ کو اس کے مناسب باب سے متعلق کریگی اور نظائر تلاش کریگی پھر اس کی روح اور مقصد کو سامنے رکھ کر مقررہ قاعدہ کے مطابق بالترتیب قرآن و سنت اجماع و قیاس سے اس کا تعلق جوڑے گی۔ بعض صورتیں ایسی ہونگی جن کا حل آسان ہوگا، صرف اصول و کلیات اور ضرورت و مصلحت میں صحیح تطبیق سے ان کا حل نکل آئے گا اور بعض میں دشواری پیش آئے گی اور ایسی حالت میں اختلاف ائمہ سے فائدہ اٹھانے کی بھی ضرورت پڑے گی لیکن ہر حال میں روح اور مقصد کو سامنے رکھنا ضروری ہوگا اور فقہی ضابطے سے انحراف جائز نہ ہوگا ورنہ شریعت ہوا و ہوس اور سہل پسندی کا "بازیچہ" بن کر رہ جائے گی۔

مجلس کو درج ذیل قسم کے کام انجام دینے ہوں گے۔

۱۔ مسلم پرسنل لا کے ان مسائل کی فہرست تیار کرنا جن میں حالات کی تبدیلی اور سماجی خرابیوں کی بناء پر نظرثانی کی ضرورت ہے۔

۲۔ پرسنل لا پر عمل درآمد کے لئے سماجی خرابیوں اور ان کے ازالہ کی تدبیروں پر غور و فکر کرکے عملی قدم اٹھانا۔

۳۔ ان رسوم کے متعلق حکم شرعی کا اظہار جنہوں نے مسلمانوں کی خانگی زندگی کو نہایت دشوار و عذاب جان بنا دیا ہے، اور ان کے ازالہ کے لئے شرعی، اخلاقی اور قانونی کوشش کرنا۔

۴۔ نئے پرسنل لا کی تدوین اور اس کو منظور کرانے کی کوشش کرنا۔

۵۔ پرسنل لا کو نافذ کرنے کے لئے شرعی حاکم کے تقرر کے لئے جدوجہد۔

۶۔ جدید مسائل کی فہرست مرتب کرکے ترتیب اور ان کا حل کرنا۔

اگر جدید مسائل کو حل کرنے کی طرف فوری طور پر اجتماعی قدم نہ اٹھایا گیا تو مذہبی طبقہ مذہب سے مایوس ہو جائیگا۔ یا پھر اپنے کو مذہب کی خود ساختہ تعبیر کے حوالہ کرنے پر مجبور ہوگا۔

رہبرانِ ملت!

آخر میں اتنی اور گذارش ہے کہ یہ کام بہت پہلے ہو جانا چاہیئے تھے لیکن افسوس ہے کہ مختلف وجوہ کی

بنایا اب تک نہ ہوسکے، یہ غالباً آخری وقت ہے، اور اگر اب بھی کام میں وہی وجوہ حائل بنتے رہے تو قوم و ملت کا اتنا عظیم خسارہ ہوگا کہ اس کی تلافی کی کوئی امکانی صورت نظر نہیں آتی ہے اور قیامت کے دن جب ہم سے باز پرس ہوگی تو ہماری ساری خوش فہمیاں بے نتیجہ اظہار معذرت میں تبدیل ہو جائیں گی، اور کوئی بات بنائے نہ بن سکے گی؟ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حاصل مدعا یہ ہے کہ قرآن کے اساسی قانون پر حکومت قائم کرنے والی جماعت کے متفقہ یا اغلبیت کے فیصلوں کا نام اجماع ہے۔ یہ اجماع آج بھی ہو سکتا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا یہ کسی خاص زمانے یا عہد تک محدود نہیں۔ البتہ شرط یہ ہے کہ یہ اجماع "اتباع بالاحسان" پر عمل کرنے والی جماعت کا ہو۔ یعنی وہ جماعت قرآن کے ساتھ ساتھ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نیز مہاجرین اور انصار کے عہد وفاق کے فیصلوں کو بھی اپنے لئے سند مانے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہ فیصلے دراصل قرآن سے علیحدہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ یہ تو محض "بائی لاز" تھے جو اساسی قانون یعنی قرآن کی عملی تفصیلات کرتے تھے۔ چنانچہ جس طرح ان مہاجرین اور انصار نے اپنے لئے "بائی لاز" یا تمہیدی قوانین بنائے اسی طرح "اتباع بالاحسان" پر یہ عامل جماعت آج بھی اساسی قانون یعنی قرآن مجید، دور اوّل کے اجماع یعنی ان بائی لاز یا تمہیدی قوانین یا سنت سے استنباط کرکے اپنے لئے تشریعی "بائی لاز" بنا سکتی ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ تک جاری رہ سکتا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر اس طرح اجماع کی اجازت نہ ہو اور قرآن کے اساسی قانون پر عمل کرنے والوں کو نئے نئے زمانے کے نئے نئے حالات کی مناسبت سے اپنے لئے تشریعی قوانین بنانے ممنوع ہوں تو کوئی نظام جو ترقی پذیر ہے۔ اور کوئی جماعت جو ترقی کن ہے، زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی۔

(مولانا سندھیؒ مرحوم)